ادبیات

کائنات

(ایک تبصرہ)

از

(جناب فضا ابن فیضی)

روش روش پہ خموشی تھی، جوئبار خموش — نسیم و نزہت و نکہت کے آبشار خموش
غمِ سکوت میں ڈوبا تھا لحنِ سازِ ابھی — کہ پُر فشاں نہ تھی روحِ نیاز و نازِ ابھی
افق سے دور کہیں آفتاب سوتا تھا — اُداس چاند مقدر کو اپنے روتا تھا
نہ ربطِ خاص تھا کچھ برگِ گل کو شبنم سے — یہ زخمِ دل ابھی نا آشنا تھے مرہم سے
کرن سے سینۂ شبنم میں ارتعاش نہ تھا — صدف پہ اپنے گہر کا مقام فاش نہ تھا
تھا جن کا ایک تبسم بہارِ خلدِ بریں — ہنوز وہ گل و لالہ نہاں تھے زیرِ زمیں
نگاہ فیضِ تجلی سے تھی ابھی محروم — کلی کو رازِ شگفتن ابھی نہ تھا معلوم
لہو ہنوز نہ دوڑا تھا نبضِ امکاں میں — کوئی سحر نہ تھی بیدار خاورستاں میں
نہ ایسا فرقِ مراتب دن اور رات میں تھا — بس ایک چاکِ گریباں کائنات میں تھا

فضائے ارض و سما جلوہ آفریں اتنی — یہ کائنات تو پہلے نہ تھی حسیں اتنی
ذرا سی بھی جو ستاروں نے آنکھ جھپکائی — خُمِ اُفق سے نبیذِ سحر چھلک آئی
ہر ایک ڈوبی ہوئی نبض میں لہو آیا — زمیں پہ نیرِ اعظم نے نور برسایا
خود اپنے زخموں کا منہ چومنے لگے مرہم — کرن کی لَو سے دھڑکنے لگا دلِ شبنم
یہ آب و گل کے جھلکتے ہوئے صنم خانے — چلی ہے موجِ ہوا نکہتوں کو بہلانے
چمن میں قافلۂ سبزہ و نسیم آئے — فروغِ نور سے نابود ہو گئے سائے

سرور و کیفیت و رنگ و بو کے مے خانے — چھلک پڑے ہیں دماغ و نظر کے پیمانے
ارم طراز ہے دشت و جبل کی ویرانی — نوا فروش ہے خاموشیوں کی طغیانی
ضمیرِ کوکب و مہتاب تیرہ ناک نہیں — کہ آب و گلِ کے گریباں میں کوئی چاک نہیں

انسان عہدِ قدیم میں

وہ روحِ حکمت و رنگِ جمالِ یکتائی — حریمِ قدس میں جس کی ہوئی پذیرائی
گمان اس کی جلو میں یقین تک آئے — کہ جبرئیلِ امیں بھی زمین تک آئے
اسی کی ذکر سے ٹوٹا فسونِ تیرہ شبی — بجھا اسی کے نفس سے چراغِ بولہبی
رہی متاعِ امانت جو سر بسر اس کی — تپِ جنوں سے اٹھکتی رہی خرد اس کی
فرشتہ صید رہا یہ بغیرِ ناوک و تیر — ہیں اس کے زلہ ربا جبرئیلِ پاک ضمیر
کہاں یہ اور کہاں شیوۂ زبونِ حیات — اسی نے عام کیا سوزِ اندرونِ حیات
خرد پہ رازِ دو عالم ہے آشکار اس سے — جنوں ہے جوشِ تپیدن سے ہم کنار اس سے
یقین و علم سے عقبا کو روشناس کیا — ترے وجود سے دنیا کو روشناس کیا
ہر اک نظر تھی گہرسنج و کامراں اس کی — بہار چہرے پہ ملتی رہی خزاں اس کی

انسان عہدِ حاضر میں

سحر گذر گئی خود روشنی کو ٹھکرا کر — پلی ہے رات مہ و کہکشاں کا غم کھا کر
سیاہ راتوں سے سورج ہیں مطمئن کتنے — سیاہیوں کی طرف مڑ گئے ہیں دن کتنے
خود آگہی و خودی کے ایاغ ٹوٹ گئے — ہوائے تند سے لڑ کر چراغ ٹوٹ گئے
غریقِ زہرِ ہلاہل ہوئے سفینہ نوش — خضر کے بھیس میں ہیں کس قدر ضمیر فروش
وہ جس کا سینۂ روشن تھا مایۂ دارِ علوم — وہی ہے اب نفسِ جبرئیل سے محروم
دلوں کے کنج میں کینے کا سانپ بستا ہے — وہ آدمی ہی ہے جو آدمی کو ڈستا ہے
یہ فکرِ عیش یہ تہذیب و کفر کے ناسور — یہ بے نگاہ کلیم اور یہ خرابۂ طور
زمیں کے دوش پہ فکر و نظر کے یہ تابوت — یہ مقبرہ ہے الٰہی! کہ عالمِ ناسوت

تمام سعیِ کرم رائگاں ہوئی تیری
متاعِ سود سپردِ زیاں ہوئی تیری